

ڈاکٹر محمد افضال بٹ  
شعبہ اردو، الخیر یونیورسٹی۔ بمبئی

## موج زمزم (ضیاء محمد ضیاء پسروری)

Zia Muhammad Zia had full grasp over Urdu and Persian. His Persian work is taught in Persian curriculum books . A thesis has also been written at M.Phil level in Punjab university Lahore due to his Persian and educational treasure. In this article his book is renamed throughly.

اس مضمون میں ضیاء محمد ضیاء پسروری کی کتاب ”موج زمزم“ کا جائزہ لیا گیا ہے۔ ضیاء محمد ضیاء نے گجرات شہر کے علاقے کنبہ سے متصل گاؤں چوہاں میں آنکھ کھولی اور پھر عملی زندگی کے لیے شاعر مشرق کے شہر سیالکوٹ کے متصل شہر پسرور میں ہمیشہ کے لیے آئے۔ شہر پسرور جو دلشاد پسروری، عبرت پسروری اور مضطر نظامی جیسے ادب نواز لوگوں کا گوارہ رہ چکا ہے۔

ضیاء محمد ضیاء کو اردو اور فارسی زبان پر مکمل دسترس حاصل تھی۔ ان کے فارسی کلام کو ایران کی نصابی کتب میں پڑھایا جاتا ہے۔ ان کی فارسی علمی و ادبی سرمائے کی بدولت پنجاب یونیورسٹی لاہور میں ایم۔ فل کی سطح پر ایک مقالہ بھی تحریر کیا جا چکا ہے۔ میرا مقصد ایسی علمی و ادبی شخصیت کو منظر عام پر لانا مقصود ہے جنہوں نے کنبہ کی مٹی میں جنم لیا اور اب شہر پسرور میں ابدی نیند سو رہے ہیں۔

نعت کی وادی میں قدم رکھنا نیزے کی انی پر کھڑا ہونے یا پل صراط پر چلنے کے مترادف ہے۔ ہر گھڑی یہی خیال کہ اب پاؤں پھسلا، اب قدم لڑکھڑائے۔ خصوصاً بارگاہ رسالت مآب میں گلہائے عقیدت کا پیش کرنا اور اپنی عجز و نیا مندی کا اظہار کرنا بہت ہی احتیاط اور ہوش مندی کا تقاضا کرتا ہے۔ یہ ایک عاشق صادق ہی کو زیب دیتا ہے کہ وہ محبوب سبحانی، تاجدار انبیاء، مالک کونین، سرور دو جہاں، کی مدحت سرائی کرے۔ یقیناً ایک ایسا آدمی جو اپنی ذات سے بڑھ کر بنی اکرم ﷺ کی ذات سے محبت کرتا ہو۔ وہی درود و سلام کے تحفے بھیج سکتا ہے۔ جن کے دل مصفا اور منزہ نہ ہوں اور زبان لذت آشنائی سے بے بہرہ ہوں وہ اس وادی میں محروم اور نامراد پھرنے کے سوا اور کچھ حاصل نہیں کر سکتا۔

موج زمزم ضیاء محمد ضیاء کی حمد و نعت پر مشتمل کتاب ہے۔ جس میں شاعر نے بڑے جذب و ادب کے ساتھ عشق الہی اور عشق رسول ﷺ کی قلبی کیفیات کو پیش کیا ہے۔ گلہائے عقیدت کی ترتیب کچھ اس طرح ہے:

۱۔ حمد ----- ۲۴ نغمہ تحمید کے نام سے

۲۔ قطعات ----- ۱۲

۳۔ نعت ----- ۶۳ نعت کے عنوانات میں زمزمہ نعت، نعتیہ نظمیں گلہائے، نعت، ہدیہ سلام ہیں۔

۴۔ نغمات حرم

ہمارے ہاں شعری روایت ہے کہ جو بھی شاعر اپنا دیوان چھپواتا ہے وہ حمد سے شروع کرتا ہے۔ حمد میں شاعر مختلف طریقوں سے اپنے خالق و مالک کی تعریف کرتا ہے۔ اپنے خالق سے اپنی عبودیت اور بندگی کا اظہار کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جو نعمتیں عطا کیں ہیں ان کا شکر ادا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اپنے مالک کے سامنے عاجز بن کر اس کی رحمتوں کے نزول کا خواہش مند ہوتا ہے۔ یہ روایت عربی اور فارسی شاعری سے اردو میں آئی ہے۔ دیکھنے میں آیا ہے کہ دنیا کے تمام لوگ کسی نہ کسی انداز میں اپنے مالک کی تعریف ضرور کرتے ہیں فرق صرف اتنا ہے کہ کوئی اسے اللہ کہتا ہے، کوئی رب کہہ لیتا ہے، کوئی خدا پکارتا ہے، کوئی صنم، کوئی بھگوان اور کوئی گاڈ کہہ کر اپنی عبودیت کا اظہار کرتا ہے۔ بقول میر درد۔

شیخ کعبہ ہو کے پہنچا ہم کنشت دل میں ہو  
درد منزل ایک تھی تک راہ ہی کا پھیر تھا

ضیاء محمد ضیاء نے باقاعدہ حمد کہی ہے اور بڑے والہانہ انداز میں رب العالمین اور اپنے مالک و خالق کی مدح سرائی کی ہے۔

خالق انس و جاں ، مالک دو جہاں  
سب کا حاجت روا، سب کا روزی رساں  
سب کی امید گہ، سب کی جائے اماں  
ایزد ذوا لکرم داو ر مہریاں  
وہ خدائے زمیں ، وہ خدائے زماں ۱

شاعر بڑے موثر انداز میں اس رحمن و رحیم کی طاقت کا اعتراف کرتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ وہی خالق سموات والارض ہے۔ جس نے ایک حرف کن سے کائنات کو تخلیق کیا۔ شاعر اس حقیقت کا واضح گاف الفاظ میں اقرار کرتا ہے۔

کام مشکل نہیں کوئی اس کیلئے  
خلق اک حرف کن سے دو عالم کیے  
آگ، پانی، ہوا، خاک سے کردیئے  
ان گنت کارواں زندگی کے رواں  
وہ خدائے زمیں ، وہ خدائے زماں ۲

شاعر جانتا ہے کہ کائنات پیدا کرنے والا ہر چیز کا خالق ہے وہ ہر چیز میں موجود ہے، ہر چیز اس کی گرفت میں ہے اور ارض و سما کی ہر چیز میں جو حسن ہے وہ سب اسی کا عطا کردہ ہے۔ نظریہ وحدت الشہود کی عکاسی کرتے ہوئے شاعر نے حمد کے اس بند میں جان بھر دی ہے اور یہ بند صوتی حسن کا شاہکار دکھائی دیتا ہے۔ صوت قمری، شور بلبل، اشک شبنم، خندہ

گل، چشم زگس اور زلف سنبل جیسی تراکیب نے اشعار میں زبردست دلکشی پیدا کر دی ہے۔

صوت قمری میں وہ ، شور بلبل میں وہ

ٹھک شبنم میں وہ ، خندہ گل میں وہ

چشم زگس میں وہ ، زلف سنبل میں وہ

لالہ و ارغواں میں تبسم کناں

وہ خدائے زمیں وہ خدائے زماں ۳

ضیاء محمد ضیاء ”وحدہ لاشریک“ کے عقیدے پر سختی سے کاربند نظر آتا ہے اور کیوں نہ ہو جس کے میں دل میں لالہ الا اللہ کا جذبہ صادق بھرا ہو وہ کائنات کی کسی اور طاقت سے نہ تو خائف ہوتا ہے اور نہ ہی کسی اور کو خاطر میں لاتا ہے۔ بقول اقبال: ۴

گر عصائے لالہ دا ری بدست

ہر طلسم خوف ر ا خواہی شکست

وہ جانتا ہے کہ زمین و آسمان کی وسعتوں میں جو کچھ بھی ظہور پذیر ہو گا وہ اللہ ہی کی طرف سے ہو گا۔ اور عروج و زوال بخشے والا وہی ہے۔ وہی سب کا رب، سب کا رازق ہے۔ سب کے دلوں کا بھید جاننے والا ہے۔ ساری کائنات پر اس کی قدرت محیط ہے۔ اور احسن الخالقین بھی صرف اسی کی ذات والا صفات ہے۔

خداوند ا تو پالنےوار ہے سارے جہانوں کا

تو خالق اور مالک ہے زمینوں ، آسمانوں کا

تو آقاؤں کا آقا ہے ، تو داتاؤں کا داتا ہے

تو سلطانوں کا سلطان ، حکمران ہے حکمرانوں کا

بچھا ہے آسمان سے تا زمیں خوان کرم تیرا

تو رازق ہے بے زروں کا ، بے پروں کا ، بے زبانوں کا

بنائیں صفحہ ہستی پہ رنگا رنگ تصویریں

تو صانع مہ جبینوں ، گلرخوں ، غنچہ دہانوں کا

ہے تیرے علم میں ہر بات ظاہر ہو کہ پوشیدہ

تو واقف سب کے رازوں کا ، تو محرم رازدانوں کا

نہ دنیا کی انہیں پروا ، نہ عقبی کا انہیں دھڑکا

عجب دل مطمئن دیکھا ترے تسبیح خوانوں کا ۴

ضیاء محمد ضیاء کی حمد یہ شاعری پڑھتے ہوئے قاری محسوس کرتا ہے کہ جیسے وہ خود اپنے خالق و مالک کے حضور دست بدست عجز و نیاز کی تصویر بنا کھڑا ہے اور اس کی بڑائی کا اعتراف کر رہا ہے۔ مختلف جگہوں پر تراکیب اور صنعتیں بڑی مہارت اور چابکدستی سے استعمال کی گئی ہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ یہ الفاظ صرف اسی جگہ استعمال کرنے کے لیے بنائے گئے ہیں۔ مختلف مصرعوں کے تسلسل سے ایک خاص قسم کا آہنگ، روانی شعروں میں پیدا ہوتی ہے۔ زبان کہیں بھی اٹکتی یا لڑکھاتی محسوس نہیں ہوتی۔ دیکھئے شاعر کس خوبصورتی سے اپنے خالق کے سامنے اپنی عاجزی اور بے کسی کا اظہار کر رہا ہے۔

تو لاشریک و واحد و بے شبہ و بے مثال  
ہے تیری ذات قائم و قیوم و لایزال  
انسان کر سکے ترا ادراک، کیا مجال  
اے رب ذوالجلال  
پنہاں ہے تو مگر تری قدرت ہے آشکار  
مظہر ترے جلال کے دریا و کوہسار  
خورشید و ماہتاب ترا پر تو جمال  
اے رب ذوالجلال ۵  
آلام روزگار نے مجھ کو کیا نڈھال  
ہے تجھ پہ آشکار مری بے کسی کا حال  
بے کس پہ اپنے لطف و کرم کی نگاہ ڈال  
اے رب ذوالجلال ۶

ضیاء محمد ضیاء کے حمدیہ قطعات میں بھی وہی والہانہ پن نظر آتا ہے جو حمدیہ نظموں میں ملتا ہے۔ ایک چیز جو نمایاں نظر آتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ ضیاء محمد ضیاء اقبالؒ سے خاصے متاثر نظر آتے ہیں۔ دیکھئے یہاں اقبال کا رنگ واضح دکھائی دیتا ہے۔

الہی فقر کی دولت عطا کر  
تو مجھ کو خوگر صبر و رضا کر  
بنا اس بندہ ناچیز کو چیز  
پر کجھنگ کو بال ہما کر ۷

موج زمزم میں حمد کے بعد تریٹھ (۶۳) نعتیں شامل ہیں۔ نعت کے لئے ضروری ہے کہ شاعر نبی اکرمؐ کی ذات سے

والہانہ محبت بلکہ عشق رکھتا ہو جب تک تاجدار انبیاء سے صدق دل سے محبت نہ نعت ہو ہی نہیں سکتی۔ ضیاء کی نعتوں میں اس بات کا احساس ہوتا ہے کہ ان کا ہر لفظ عشق مصطفیٰ میں ڈوب کر نکلتا ہے۔ ان کے پور پور سے نبی آخر الزماں کی محبت کی خوشبو آتی ہے۔ کہیں کہیں تو ضیاء محمد کا والہانہ پن اس حد تک دکھائی دیتا ہے کہ قاری محسوس کرنے لگتا ہے کہ شاید ضیاء کو صرف نعت کہنے ہی کیلئے پیدا کیا گیا ہو اور میرے خیال میں یہ اس ماحول کی وجہ سے ہے جس میں ضیاء نے آنکھ کھولی۔ حرف آغاز میں خود لکھتے ہیں۔

”راقم خاکسار نے ایک قدیم علمی اور مذہبی گھرانے میں آنکھ کھولی، آغاز سن شعور سے حمد و نعت کے روح پرور نغمات فردوس گوش بننے اور دل کی گہرائیوں میں اترتے رہے، کم و بیش پچاس برس پہلے اپنے شعری سفر کی ابتداء بھی نعت و منقبت ہی سے ہوئی تھی۔“ ۸

دیکھئے ضیاء محمد ضیاء ”میلا دمسعود“ کے عنوان سے رسول رحمتؐ میں کتنے خوبصورت انداز میں مدحت سرا ہیں۔

جہاں پہ چھائی ہوئی تھی ظلمت، عجیب منظر تھا تیرگی کا  
حد نظر تک نشاں دکھائی کہیں نہ دیتا تھا روشنی کا  
بھگتی پھرتی تھی کفر و باطل کے گھپ اندھیرے میں نسل آدم  
بہیمت چار سو تھی رقصاں، سماں تھا ہر سمت ابتری کا ۹  
نہ کوئی رہبر تھا قافلے کا، نہ کوئی منزل تھی قافلے کی  
ادھر بھی رہزن ادھر بھی رہزن تھا راستہ گم سلامتی کا  
کہاں کی رسم ورہ مودت کہ عام تھا شیوہ عداوت  
معاشرت کا کوئی قرینہ نہ قاعدہ کوئی زندگی کا  
یہ صورت حال تھی جب آیا وہ رہنمائے رہ ہدایت  
عظیم منصب خدا سے جس کو ملا تھی قوموں کی رہبری کا ۱۰  
اندھیری شب کا طلسم ٹوٹا، سرافق آفتاب آیا  
نئی سحر کی نوید لے کر پیہر انقلاب آیا  
حیات تازہ ملی جہاں کو، قدم سلطان انبیاء سے  
چمن میں پھر سے بہار آئی، بگلوں پہ پھر سے شباب آیا ۱۱

یہاں پر ہم دیکھتے ہیں کہ شاعر نے ”میلا دمسعود“ کے حوالے سے نبی اکرمؐ کی بعثت کا ایک نقشہ کھینچ دیا ہے۔ اور بہت سادہ اور عام فہم انداز میں حالی کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ جب ہم ”موج زمزم“ کا مطالعہ کرتے ہیں تو بہت سی ایسی جگہیں ہیں جہاں ضیاء، حالی اور اقبال سے متاثر نظر آتے ہیں اور ان کے رنگ میں شعوری یا لاشعوری طور پر کچھ کہنے کو

کوشش کی ہے۔ مثلاً ”بحضور رسالت“ میں سے چند اشعار دیکھئے۔

سینے میں ہے جذبات کا طوفان مرے آقا  
کیا تجھ سے کہوں میں غم پنہاں مرے آقا ۱۲  
تہذیب نے پھر اپنے درندوں کو ابھارا  
پھر کفر کے نرغے میں ہے ایماں مرے آقا  
دیتے تھے زمانے کو محبت کا جو پیغام  
آپس میں ہیں اب دست و گریباں مرے آقا ۱۳

ان اشعار کو پڑھتے ہوئے قاری حالی کی ”مناجات“ اور ”مسدس“ میں کھو جاتا ہے۔ حالی کا رنگ اس حد تک ہے کہ ان جگہوں پر شاعر نے الفاظ بھی بہت سادہ اور عام فہم استعمال کیے ہیں۔ ورنہ ضیاء کی شاعری میں فارسی کا گہرا رنگ ہے اور الفاظ بھی بہت بلاغت اور عالمانہ شان سے ادا ہوئے ہیں۔ لیکن ضیاء عشق رسولؐ کے اظہار کے سلسلے میں بزرگوں کا رنگ اپنانے کی کوشش (شعوری یا لاشعوری) ضرور کی ہے۔ مگر انداز ان کا اپنا ہے، وہ بات میں انفرادیت ضرور پیدا کر جاتے ہیں۔ مثلاً میلاد کے حوالے سے یہ اشعار دیکھیں۔

ہاں آج ہے اس سرور کوئین کا میلاد  
یہ کون و مکاں جس کی بدولت ہوئے ایجاد  
مکرم ملی جس کو لحد کان لکم سے  
تجلیل میں جس کی ورفعتا ہو ا ارشاد ۱۴

پہلے لکھا جا چکا ہے کہ ضیاء کو نبی تاجدار ﷺ کی ذات سے عشق ہے اور یہ لگاؤ جوں جوں ان کی شاعری پڑھیں، بڑھتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ یہ عاجزی اور عاجزانہ انداز بہت کم گوشعراء میں نظر آتا ہے۔ حرف آغاز میں وہ خود رقم طراز ہیں۔

”یہ ناچیز بھی مدوح کائنات کے مدحت سراؤں کی فہرست میں اپنا نام درج کرانے کا آرزو مند ہے، اس امید پر کہ کل قیامت کے روز جب بے شمار نامی گرامی شاعر نعت نگاری کے حوالے سے بارگاہ شفیق المذنبین میں اذن باریابی سے سرفراز ہو گئے، شاید مجھ بے نوا، سراپا خطا کو بھی ان خوش نصیبوں کی کسی پچھلی صف میں کھڑے ہونے کی اجازت مل جائے اور یوں میرا یہ حقیر نذرانہ عقیدت میرے لیے ذریعہ شفاعت اور وسیلہ مغفرت بن جائے۔“ ۱۵

زیر نظر اقتباس میں ہم دیکھتے ہیں کہ شاعر سراپا حسرت، سراپا عقیدت، سراپا محبت بنا بارگاہ اقدس میں شرف قبولیت کیلئے اپنی عاجزی اپنے ہاتھوں میں لیے کھڑا ہے اور اس عاجزی پر اسے کوئی فخر نہیں بلکہ شرمندگی ہے کہ جانے یہ شرف

قبولیت بھی پائے کہ نہ پائے۔ لیکن! شاہ دو جہاں کے دربار میں یہی عاجزی، یہی شرمندگی اور یہی بے خودی و والہانہ پن انہیں نعت گوؤں میں ایک بڑا مقام دیتی ہے۔

لو سے مجلس رہا تھا چمن زار دہر کا  
آپ اس چمن میں ٹھنڈی ہوا بن کے آگئے  
پھلیں شعائیں نور بنوت کی چار سو  
ظلمت میں آنحضور ضیاء بن کے آگئے ۱۶

ہماری اردو شاعری میں اقبال کا قد اتنا اونچا رہا ہے کہ بعد میں آنے والے شاعروں میں سے کوئی بھی اس کے سائے سے بچ نہیں سکا۔ خصوصاً ”قومی شاعری“ اور نعت لکھنے والے بھی اقبال سے آگے نہیں جاسکے۔ پس ضیاء محمد ضیاء اس ہالے سے کیسے نکلتے کہ ایک تو شہر اقبال سے تعلق رکھتے ہیں اور دوسرے فارسی میں بھی شعر کہتے ہیں۔ ضیاء کا پہلا مجموعہ فارسی میں شائع ہوا اور وہ اپنی فارسی پر فخر بھی کرتے ہیں۔ اس لیے موج زمر کی اردو نعتوں میں بھی فارسی کثرت سے نظر آتی ہے۔ فارسی کی ترکیبیں اور مشکل الفاظ ملتے ہیں۔ نعتیہ نظم ”خیر البشر“ کا ایک بند ملاحظہ ہو۔

ختم رسل کے حسن دلار اکا ذکر ہے  
اس رہبر ام کے سراپا کا ذکر ہے  
گیسٹے مٹکبو، قدر عنا کا ذکر ہے  
ابرو چشم کا، رخ زیا کا ذکر ہے  
ہوے ہیں تذکرے خط و خال حضور کے  
عشاق مدح خواں ہیں جمال حضور کے ۱۷  
معبود تھے شجر تو خدا تھے حجر کہیں  
معبود تھے کوا کب و شمس و قمر کہیں  
لات و ہبل کے سامنے جھکتے تھے سر کہیں  
آقا بنا ہوا تھا بشر کا بشر کہیں ۱۸  
بگزی ہوئی زمانے کی حالت تھی چار سو  
دنیا تمام غرق ضلالت تھی چار سو ۱۹

ان بندوں میں ہمیں اقبال کا رنگ صاف نظر آتا ہے اور ”شکوہ“ اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ نظروں کے سامنے آجاتا ہے۔ ضیاء محمد ضیاء کے لفظ تصویر دار ہیں ہم کہہ سکتے ہیں کہ ان کی شاعری لفظی تصویروں کا مرقع بن گئی ہے۔ نعت کیلئے جس لفظی تہذیب، نفاست، طہارت اور متانت کی ضرورت ہوتی ہے وہ ضیاء کی شاعری میں نمایاں نظر

آتی ہے۔

اے صدر بزم سخن فکاں، اے خواجہ کون و مکاں  
 ہے بوسہ گاہ قدسیاں، تیرا مقدس آستان  
 جھکتا ہے چو کھٹ پہ تری تعظیم کو عرش بریں  
 اے سرور دنیا و دیں ۱۹  
 شان مصطفیٰ کا بند ملاحظہ فرمائیں۔  
 خورشید عکس روئے تاباں مصطفیٰ ہے  
 مہتاب شمع طاق ایوان مصطفیٰ ہے  
 گردوں غبار پائے یکسر ان مصطفیٰ ہے  
 باغ بہشت کنج بستان مصطفیٰ ہے  
 عالم تمام زیر دامن مصطفیٰ ہے  
 کیا شان مصطفیٰ ہے ۲۰

اب اس بند میں موجود تراکیب پر اگر غور کریں تو ضیاء کی علییت اور قادر الکلامی کا انداز ہوتا ہے اور اعتراف کرنا پڑتا ہے۔ پچھلے بند میں ”صدر بزم کن فکاں، بوسہ گاہ قدسیاں اور ادھر عکس روئے تاباں مصطفیٰ، شمع طاق ایوان مصطفیٰ، کنج بستان مصطفیٰ، زیر دامن مصطفیٰ“ بجائے خود مشکل تراکیب ہیں لیکن کلام میں گرانی پیدا نہیں کرتیں بلکہ خوبصورت اور خوش کن تاثر پیدا ہوتا ہے۔ اس طرح اسم اعظم کے دو اشعار ہیں۔

نشاط روح کا سماں ترا نام  
 علاج تلخی دوراں ترا نام  
 روئے درد مہجوراں ترا ذکر  
 انیس جان مشتاقاں ترا نام ۲۱

ضیاء محمد ضیاء کی شاعری کو پڑھنے اور اس سے لطف اندوز ہونے کیلئے قاری کو پڑھا لکھا ہونا چاہیے اسے تاریخ اسلامی سے واقف ہونا چاہیے قرآن و حدیث کی سمجھ بوجھ ہونی چاہیے ایسا لگتا ہے کہ مشکل تراکیب، تشبیہات و استعارات، تاریخ اور قرآن و سنت کے حوالے سے مختلف جگہوں پر آیات قرآن اور احادیث کا استعمال غرض ان تمام چیزوں پر ضیاء محمد ضیاء کو مکمل عبور حاصل ہے اور یہ تمام چیزیں قاری سے اچھی خاصی علمی استعداد اور ذوق شعری کا تقاضا کرتی ہیں۔

عذاب حق سے ڈرانے والے نوید بخشش سنانے والے  
 ہو تم مڑکی، ہو تم معلم، نذیر ہو تم، بشیر ہو تم

نوا ہو وہ ساز قدس کی تم، ہے وجد میں جس سے روح عالم  
 کرے جو بیدار غفلوں کو وہ آسمانی نفیر ہو تم ۲۲  
 جن کو لقب ملا ہے سراج منیر کا  
 وہ مہر نیمروز، وہ ماہ مبین ہیں آپ  
 پیدا ہوئے ہیں کون و مکاں آپ کیلئے  
 اس بزم ہست و بود کے مسند نشیں ہیں آپ ۲۳  
 تو ہے شمس الضحیٰ، تو ہے بدر الدجی، تو ہے نور خدا، تو ہے شمع  
 ہدی

تیرے جلوں سے روشن ہیں ارض و سما، جنت دیدہ و دل ہے طلعت تری  
 ماہ برج حرا، شمع طاق حرم، صاحب قاب قوسین و لوح و قلم  
 کیوں نہ ہوتا خلاق کا ممدوح تو، جب کہ خالق بھی کرتا ہے مدحت تری ۲۴  
 قیصر کے نہ کسری کے، سکندر کے نہ جم کے  
 ہم لوگ ثناء خواں ہیں شہنشاہ ام کے  
 وہ مہبط جبریل ہیں، صادق ہیں، امین ہیں  
 فاش ان پہ ہیں اسرار حدوث اور قدم کے ۲۵  
 صد خلد بد اماں ہے گلستاں مدینہ  
 ہے طائر سدرہ بھی نوا خوان مدینہ ۲۶  
 تن پہ قبا لولاک لما کی، دوش پہ چادر فقر و غنا کی  
 فرق پہ او ادنیٰ کا افسر، صلی اللہ علیہ وسلم  
 ابر در افشاں جود و سخا کا، قلزم جوشاں، بزل عطا کا  
 چشمہ احساں، منبع فیضان، صلی اللہ علیہ وسلم ۲۷

ہدیہ سلام کے عنوان سے شاعر نے بڑے خوبصورت اور دلپذیر انداز میں حضور اکرم ﷺ کی شان میں گلفشانی کی  
 ہے۔ سلام میں کہیں کہیں شاعر اپنا دکھ شاہ کونین کے حضور کے پیش کرتا ہے۔

سلام اے درد، مجھوری کا درماں جاننے والے

سلام اے چارہ غم ہائے پنہاں جاننے والے ۲۸

ساقیا! کر عطا ہمیں اپنی نظر کا ایک جام  
تجھ پہ ہزار ہا درود، تجھ پہ ہزار ہا سلام ۲۹  
یہ مانا بہت ہی گنہگار ہیں ہم  
سیہ رو، سیہ دل، سیہ کار ہیں ہم  
مگر پھر بھی تیرے وفادار ہیں ہم  
ہماری بھی نیا لگانا کنارے  
کہاں جائیں آخریہ قسمت کے مارے ۳۰  
سلام اے گلستان امت کے والی  
فقیروں کے وارث، ”ضعیفوں کے والی“  
کھڑے ہیں ترے در پہ ہم بھی سوالی  
نظر ہو کچھ احوال پر بھی ہمارے  
بہت دن مصائب کے ہم نے گزارے ۳۱

موج زمزم کے آخری حصے میں ”نعمات حرم“ کے عنوان سے ضیاء محمد ضیاء کے کچھ گلہائے عقیدت رکھے ہیں اور شاعر نے ایک نوٹ بھی ساتھ لکھا ہوا کہ ارض مقدس کے سفر اور زیارات کے دوران جو جذبات و احساسات شعروں میں ڈھلتے رہے وہ شامل کیے ہیں۔ ان میں ”ایک آرزو“ میں حضور والی کونینؑ سے والہانہ محبت اور ان کے در پر پہنچنے کی تمنا کو بڑے خوبصورت الفاظ کا جامہ پہنایا ہے۔

بے اختیار گر پڑیں قدموں میں آپؐ کے  
رو رو کے قصہ غم فرقت سنائیں ہم ۳۲  
”بلد الامین“ میں شاعر کے جذبات کی انتہا ہے اس کی روح اپنے آپ کو بلند یوں پر محسوس کرتی ہے اور وہ اپنی آرزوں کی تکمیل پر پھولے نہیں سماتا۔

نسبت جسے ”مقام براہیم“ سے ہے خاص  
وہ یادگار نقش کف پا ہے سامنے  
منزل پہ آگیا ہوں میں ”بطحا“ ہے سامنے  
ارض حرم کا منظر زیبا ہے سامنے ۳۳

”کعبۃ اللہ“، ”دیدار حرم“ اور مدینہ النبیؐ میں شاعر کے جذبات کا موعیں مارتا ہوا سمندر ہے۔ محبت کی انتہا ہے۔ خلوص کی چاشنی ہے وہ روضہ اقدس کی جالیوں کو چوم رہا ہے، مقصورہ میں کھڑا ہے۔ کبھی مواجہ سامنے ہے کبھی اس کی نظر ”صفہ“ پہ جاتی ہے اور کبھی ”حنانہ“ پر الغرض اس کی خوشی کی کوئی انتہا نہیں ہے۔

باب السلام باب نساء باب جبرئیل

ہر سمت ایک باب کرم واہے سامنے ۳۴

زیارات طیبہ میں بھی شاعر کی خوشی دیدنی ہے لیکن ایک ہے کہ ضیاء محمد ضیاء اپنے قاری کو اپنے ساتھ لے کر چلتا ہے۔ وہ لفظوں کی ایسی تصویریں بنا دیتا ہے کہ قاری اپنے آپ کو ضیاء کے ساتھ طیبہ کی وادیوں میں احرام باندھے سفر کرتا ہو اور زیارات  ہوتا ہو محسوس کرتا ہے۔

کہوں کیا اس کی کیفیت ”ضیاء“ طیبہ کی گلیوں میں

دل دیوانہ کو جس کیف سے سرشار دیکھا ہے ۳۵

ایک عاشق صادق کی پہچان یہی ہے کہ وہ جتنی بار بھی اپنے محبوب کی زیارت کرے اس کی محبت اس کا عشق، اس کی تشنگی بڑھتی جاتی ہے اور اگر عاشق کو پتہ چل جائے کہ محبوب کے کوچے سے نکلنے کا وقت قریب ہے تو اس کی حالت زار ضیاء محمد کی ”واپسی“ سے دیکھی جاسکتی ہے۔

واپس چلے ہیں آج دیار نبیؐ سے ہم

دو چار ہیں عجیب سی ایک بے کلی سے ہم

دیدار تو کیا ہے مگر بجھ نہیں سکی

مجبور ہو کے آئے تھے جس تشنگی سے ہم

ان کی گلی میں آئے تھے ہم دل کو تھام کر

اٹھے جگر کو تھام کے ان کی گلی سے ہم ۳۶

مڑ مڑ کے سوئے روضہ سرکار دیکھنا

گنبد کو دیکھنا کبھی مینار دیکھنا

ہیں یاد بے قراریاں روز فراق کی

دیکھا یہ دن جو تھا ہمیں ناچار دیکھنا

طیبہ سے جارہے ہیں ہم اس آرزو کے ساتھ

یہ شہر پھر نصیب ہو اک بار دیکھنا ۳۷

”دل تھام کے اٹھنا“، ”بے قراریاں“ اور ناچار جیسے لفظ جس والہانہ عشق و محبت کی عکاسی کرتے ہیں اور جس بے

ساختہ انداز میں یہ لفظ ادا ہوئے ہیں ان سے ضیاء کی قلبی کیفیت کا اندازہ بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔

موج زمزم کے مطالعہ سے ایک اور اہم بات جو نمایاں نظر آتی ہے یہ کہ حمد اور نعت کے درمیان جو حد فاضل ہے اور جس کا بہت سے شعراء خیال نہیں رکھ سکے، ضیاء نے اس کا خیال بھی رکھا ہے۔ اس نے ”ذکر خدا“ اور ذکر مصطفیٰ کے حدود سے تجاوز نہیں کیا۔

ہر جگہ پاس ادب رکھتے ہوئے خاصہ خاصان، شہ کونین، خواجہ کون و مکاں، راحت دل و جاں، شفیع المذنبین، سلطان الانبیاء، شاہ مرسلین، رحمت اللعالمین، خیر مجسم، شمع ہدایت، سید ذیشان کی مدحت سرائی کی ہے۔ ان کا ہر لفظ، ہر ترکیب، ہر استعارہ، ہر نقطہ سوز و گداز کے سانچے میں ڈھل کر سحر بن گیا ہے۔ وہ نعت کے اظہار میں اپنی تمام تر صلاحیتوں کو استعمال کرتے ہیں۔ ان کی نعتوں میں کہیں کہیں مکالمہ بھی دکھائی دیتا ہے۔ اور ایسا لگتا ہے کہ جیسے شاعر ہاتھ باندھے در اقدس پر کھڑا ہے۔ اور حضور کو اپنا حال زار سنا رہا ہے۔ اور وہاں سے تشفی کے کلمات بھی اس کے کانوں تک پہنچ رہے ہیں۔ ضیاء محمد ضیاء نے حضور کو خطاب کرتے ہوئے بڑی خوبصورت اور نئی نئی تراکیب تراشی ہیں۔ ان کے کلام میں فارسی اثرات، صنائع بدائع، شعری آہنگ، اقبالؒ کے اثرات، سوز و گداز اور فارسی تراکیب کے باوجود قلبی کیفیات کے اظہار میں سادگی ملتی ہے۔ ان کے ہاں نیا آہنگ اور نیا رنگ بھی نظر آتا ہے۔ ضیاء کے انداز میں دلیری بھی ہے، دلکشی بھی اور سحری بھی اور اس کے ساتھ ساتھ عاجزی بھی جو سب سے بڑی نعت ہے۔ الفاظ کی ندرت، خیال کی جدت، فضا کی پاکیزگی اور معنی کی لطافت سے ضیاء محمد ضیاء کی حمد اور نعتؒ سے ایک ایسا سماں پیدا ہو جاتا ہے کہ قاری خود کو روضہ اقدس پہ کھڑا فرط عقیدت سے جھومتا ہوا محسوس کرتا ہے۔

### ضیاء محمد ضیاء کا ادبی مقام:

دنیاۓ علم و ادب میں بعض ایسے ارباب کمال ہوتے ہیں جو علمی اور ادبی مراکز سے دور اقامت پذیر ہونے کی وجہ سے عصر حاضر کی روایات کے مطابق پراپیگنڈے کی بیساکھیاں میسر نہ آنے کی وجہ سے شہرت عام حاصل نہ کر سکے۔ او رگلدستہ طاق نسیاں ہو کر رہ جاتے ہیں۔ یوں علمی دنیا ان کے فضائل و محاسن اور ادبی منزلت سے بے خبر رہتی ہے۔ اور ان کے گراں قدر افکار و خیالات سے استفادہ نہیں کر سکتی۔

کسی شاعر کے ادبی مقام کے تعین میں اس کی انفرادیت کا ایک بنیادی کردار ہوتا ہے۔ اصل بات یہ طے کرنی ہوتی ہے کہ کسی شاعر کی شناخت کیا ہے۔ اور شناخت کو سمجھنے کیلئے ان کی لفظیات بھی اہم ہوتی اور اس کے موضوعات بھی۔ عام طور پر کسی ایک عہد میں ایک طرح کے موضوعات پر مختلف شعراء لکھ رہے ہوتے ہیں۔ البتہ زاویہ نگاہ کا فرق ایک دوسرے کو جدا گانہ مقام عطا کرتا ہے۔ جب ضیاء الہاشمی کی حمد و نعت کا جائزہ لیا جاتا ہے تو تب بھی اسی معیار کو پیش نظر

رکھا جاتا ہے۔ گذشتہ صفحات میں اس بات کا تفصیلی جائزہ لیا جا چکا ہے کہ ضیاء نے خود کو کسی حلقے سے وابستہ کر کے اپنی دریافت کرنے کی کوشش نہیں کی۔ بلکہ اس نے اپنا ایک الگ انداز فکر پیش کیا ہے۔ وہ اس ہجوم کا حصہ نہیں بنے جو اپنے ذاتی مفاد کو اجتماعی مفاد پر قربان کر دیتے ہیں۔

ضیاء غنیمت کجیابی کے شہر میں پیدا ہونے کے بعد دلشاد پسرور کے شہر میں آتے ہیں تو شعر و ادب سے دلچسپی میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ شعر و ادب سے شغف پہلے ہی تھا مگر ۱۹۵۳ء میں سرکاری ملازمت اختیار کر کے پسرور آئے تو ان کی ملاقات ممتاز ماہر تعلیم عظیم شاعر علم و ادب کی دنیا میں اہم حیثیت رکھنے والی شخصیت جناب مولانا طاہر شادانی (مرحوم) سے ہوئی۔ حفیظ رضا پسروری ”صدائے عام“ پسرور میں ایک مضمون لکھتے ہوئے کہتے ہیں طاہر شادانی کی دوستی اور محبت کی بدولت ضیاء کی شاعرانہ صلاحیتوں میں نکھار پیدا ہوا۔

”طاہر شادانی کی محبت نے ضیاء ہاشمی کی طبیعت میں شعر و ادب اور تصنیف و تالیف کے جوہر کو اور نمایاں کر دیا۔ وہ حضرت علامہ اقبالؒ سے متاثر تھے اور شاعری میں انہی کو روحانی، فکری اور شعری رہنماء تسلیم کرتے ہیں۔۔۔ نعت گوئی، قومی اور اخلاقیات ان کی شاعری کا محور ہے۔“ ۳۷

اب ہم ضیاء محمد ضیاء کا ادبی مقام متعین کرنے کیلئے ان کے علم و ادب میں کی گئی کاوشوں کے نتیجے میں مختلف ملکی اور غیر ملکی ادیبوں اور سکالروں کی آرا بیان کرتے ہیں۔

حمید احمد خاں سابقہ وائس چانسلر پنجاب یونیورسٹی لاہور ۱۲ دسمبر ۱۹۳۶ء کو فاخر ہریانوی کے مجموعہ کلام ”موج صبا“ کے تعارف میں ان خیالات کا اظہار کرتے ہیں۔

”قارئین پر اس مجموعوں کے دونوں مولفوں جانب طاہر شادانی اور ضیاء محمد ضیاء کا شکریہ واجب ہے۔ ان صاحبوں نے محض ازراہ اخلاص و محبت بھولے بسرے متفرقات کی شیرازہ بندی اپنے

ذمہ لے لی۔ اور مشکل کام سے بوجہ احسن طریقے سے عہدہ برآ ہوئے۔“ ۳۸

ضیاء کی تالیفات میں ”نوادرات سخن“ جس میں شعراء کے لطائف و ظرائف کو یکجا کر کے وکٹری بک ڈپو لاہور نے ۱۹۷۹ء میں شائع کیا۔ اس علمی و ادبی کاوش کی بدولت ادبی حلقوں میں ان کی مستقل پہچان بن گئی۔ اس کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے ڈاکٹر وحید قریشی پرنسپل اورینٹل کالج لاہور کی تحریر کا ایک اقتباس بے محل نہ ہوگا۔ موصوف نوادرات سخن کے فلیپ میں رقم طراز ہیں۔

”نورالہی محمد عمر کے بعد لکھنے والا ایسا جوڑا اردو ادب کو بہت کم ملا ہے۔ طاہر اور ضیاء کی مشترکہ سعی اس ادبی ارادت کی یاد دلاتی ہے۔ جہاں ذہنوں کی ہم آہنگی مشترکہ ادبی منصوبوں کی داغ بیل ڈالتی ہے۔ طاہر اور ضیاء نئی نسل کی مرلیضانہ انفرادیت پسندی کا شکار نہیں ہیں۔ وہ اکثر منصوبے

ایک ساتھ بناتے ہیں۔ اور فکر و عمل کے اشتراک کی بدولت گزشتہ چند برس سے بعض نہایت اہم کتابیں دیتے چلے آ رہے ہیں۔ نوادرات سخن بھی ان کے تالیفی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔۔۔۔۔ اس عظیم پیش کش کیلئے کتاب کے خوش ذوق مولفین جناب طاہر شادانی اور ضیاء محمد ضیاء بجا طور پر زندہ دلاں علم و ادب کی تحسین کے مستحق ہیں۔“ ۳۹

نوادرات سخن کے بارے میں عارف عبدالمستین نے بھی ان دونوں کی ادبی کاوش پر کچھ ان الفاظ میں اظہار خیال کیا

ہے۔

”اساتذہ گرامی قدر طاہر شادانی اور ضیاء محمد ضیاء کی دلاویز رفاقت اپنے مثبت آثار کے حوالے سے قرآن السعدین کے لسانی اظہار کا تقاضا کرتی ہے۔ اس تقاضے کا جواز وہ کچھ عرصہ قبل مدحت رسولؐ کے تاریخی گلدستہ نعتؐ کی جامع صورت میں پیش کر چکے ہیں۔ نوادرات سخن ایک ایسی دقیق دستاویز کے مرتبہ پر فائز ہو گئی ہے۔ جس کی خواندگی، ابتداء اور ساقیانہ پن انقباض سے کامل تحفظ کے جلو میں نہ صرف دل کیلئے اہتراز و آسودگی کا اہتمام کرتی ہے بلکہ روح کیلئے ترفع کا التزام بھی کرتی ہے۔“ ۴۰

ممتاز دینی سکالر، عظیم قلم اور ملک کے معروف ادبی جریدے ”سیارہ“ لاہور کے مدیر اعلیٰ جناب نعیم صدیقی ماہنامہ ترجمان القرآن اشاعت مارچ ۱۹۸۴ء میں کتاب ”حمد و مناجات“ پر تبصرہ کرتے ہوئے بتاتے ہیں۔

”یہ مجموعہ اس لحاظ سے قابل قدر ہے کہ اس کے ہر دو مرتبین تعلیم و تدریس سے تعلق رکھنے والے اور بجائے خود شعر گوئی میں اونچا مقام رکھتے ہیں۔ نیز اہل مطالعہ کی اس پرانی صف کی باقیات میں سے ہے۔ جو بہت پڑھتے تھے اور جو کچھ پڑھتے تھے اسے لفظ بہ لفظ ہی نہیں نقطہ بہ نقطہ اور خط بہ خط سمجھتے تھے۔ غنیمت ہے آج یہ احباب ہمارے درمیان موجود ہیں۔“ ۴۱

جناب ڈاکٹر سید سلطان محمود حسین صدر شعبہ اردو گورنمنٹ کالج شیخوپورہ ضیاء صاحب کے بارے میں رقمطراز ہیں۔

”محترم ضیاء محمد ضیاء کو میں گزشتہ ۱۳ برس سے جانتا ہوں۔ موصوف ایک اچھے استاد اور شریف النفس انسان ہیں۔ اور اردو زبان و ادب کے ساتھ فارسی ادبیات پر بھی گہری نظر رکھتے ہیں۔ اور دونوں زبانوں میں عمدہ شعر کہتے ہیں۔“ ۴۲

ضیاء محمد ضیاء کی ”حمد و نعت“ کے حوالے سے نعیم صدیقی تبصرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

”نعتؐ کی عمارت دل کے نہاں خانے سے استوار ہوتی ہے۔ جذبے کے بغیر نعتؐ کہنا مشکل ہی نہیں ناممکن کی مد میں آتا ہے۔ ضیاء محمد ضیاء اس حقیقت سے بخوبی آشنا ہیں۔ چنانچہ ان کا کلام پڑھتے ہوئے ایک عجیب سی مستی اور روحانی کیفیت قاری کو اپنی جانب کھینچ لیتی ہے۔ کلام میں

بے پناہ روانی دراصل اسی جذبے کی رہن ہے۔ جسے دوسرے الفاظ میں عشق مصطفیٰ کا نام دیا۔“ ۴۳

### موج زمزم پر تبصرے:

ڈاکٹر حسین قریشی قلعہ اداری ضیاء محمد ضیاء کی کتاب کے بارے میں تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔  
 ”موج زمزم کی لطافتوں کا نسخہ دیکھ کر بے حد خوشی ہوئی۔ سارا دن زمزم کی موجوں سے سرشار ہوتا رہا۔ ایک شوق تھا اور ایک محبت۔ خداوند تعالیٰ کا شکر ہے کہ آپ نے اس زندگی کے مختصر سے سفر میں جسمانی اور وجدانی دونوں صورتوں کی سعادت دارین حاصل کر لی۔“ ۴۴

پروفیسر محمد سرور سابق صدر شعبہ فارسی گورنمنٹ کالج لاہور ایک خط میں موج زمزم کے بارے میں لکھتے ہیں۔  
 ”الحمد للہ! آپ کے اعلیٰ ادبی ذوق سے جس بلند معیار کی توقع تھی۔ کتاب کو ویسا ہی پایا۔ بے شک اللہ اور رسولؐ کی بارگاہوں میں اپنے عجز اور بے مائیگی کا اظہار ضروری ہے۔ لیکن ذوق خریداروں کے بارے میں اتنی زیادہ کسر نفسی بھی مناسب نہیں۔ آپ کا کلام مس خام نہیں کندن، اور متاع کم بہا نہیں متاع گراں بہا ہے۔“ ۴۵

علیم ناصری ضیاء کے کلام موج زمزم پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

”نعت گوئی میں ضیاء کا قلم خاصہ مرصع نگار ہے۔ زمزمہ نعت کے عنوان سے نعت نگاری کا آغاز ہوتا ہے۔ اور نہایت خوبصورت تسلسل سے عشق و محبت اور عقیدت والوہیت کے نمونے پیش کرتی چلی جاتی ہے۔۔۔۔۔ مجموعی طور پر یہ مجموعہ نہایت اہم ہے۔ جوان کے ایمان و ایتقان اور ان کی قادر الکلامی کی دلالت کرتا ہے۔“ ۴۶

موج زمزم کے بارے میں نہ صرف پاکستانی بلکہ غیر ملکی سکالرز محقق، شاعر و ادیب بھی گراں قدر آرا کا اظہار کر چکے ہیں، کتاب خانہ گنج مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان اسلام آباد کے لائبریرین ڈاکٹر محمد حسین تسبیحی نے ۱۹۹۶ میں موج زمزم کے زیر عنوان فارسی میں منظوم تقریظ لکھی۔ ان اشعار کا مفہوم اور ملخص پیش کیا جاتا ہے۔

”موج زمزم آئی اور اپنے ساتھ محبت کی موج لائی۔ موج زمزم کیا ہے۔ نور محمدیؐ کا جلوہ ہے۔ جس نے دلوں کو منور کر دیا ہے۔ یہ جام جم ہے۔ جبکہ ضیاء کا شہر پسرور نو بہار کی ہوا ہے۔ جو زمانے بھر میں مشہور ہے۔ ضیاء میرا باوفا دوست ہے۔ جو میری روح میں بستا ہے۔ موج زمزم تمام تر نعتیہ کلام کا مجموعہ ہے۔ جس کے مطالعہ سے ایمان تازہ ہو جاتا ہے۔ جب میں نماز کے وقت موج زمزم کا مطالعہ کرتا ہوں تو ناز و نیاز کی عجیب سی کیفیت مجھ پر طاری ہو جاتی ہے۔ اس کتاب کو جب بھی ترنم کے ساتھ پڑھو گے۔ تمہارا دل روشن ہو

جائے گا۔“ ۳۷

موج زمزم کے بارے میں حمد و نعت کے شاعر حفیظ تائب نے ضیاء محمد ضیاء کے شاگرد قمر یزدانی کو خط میں کچھ اس طرح لکھا۔

”موج زمزم کا گراں قدر تحفہ موصول ہو گیا ہے۔ آپ نے یہ حمد و نعت کی کتاب مجھ تک پہنچانے میں جس مستعدی کا اہتمام فرمایا ہے وہ بہت مثالی ہے۔۔۔ استاد گرامی حضرت ضیاء الہاشمی زید مجدہ کی خدمت میں میرے جذبات تشکر و تسلیم پہنچانے کی بھی زحمت اٹھائیے۔“ ۳۸

#### حوالہ جات

- ۱۔ ضیاء محمد ضیاء ”موج زمزم“ ایوان ادب لاہور ۱۹۹۵ ص ۱۲۹
- ۲۔ ضیاء محمد ضیاء ”موج زمزم“ ایوان ادب لاہور ۱۹۹۵ ص ۱۷۱
- ۳۔ ضیاء محمد ضیاء ”موج زمزم“ ایوان ادب لاہور ۱۹۹۵ ص ۱۱
- ۴۔ ضیاء محمد ضیاء ”موج زمزم“ ایوان ادب لاہور ۱۹۹۵ ص ۲۲
- ۵۔ ضیاء محمد ضیاء ”موج زمزم“ ایوان ادب لاہور ۱۹۹۵ ص ۲۳
- ۶۔ ضیاء محمد ضیاء ”موج زمزم“ ایوان ادب لاہور ۱۹۹۵ ص ۲۴
- ۷۔ ضیاء محمد ضیاء ”موج زمزم“ ایوان ادب لاہور ۱۹۹۵ ص ۲۷
- ۸۔ ضیاء محمد ضیاء ”موج زمزم“ ایوان ادب لاہور ۱۹۹۵ ص ۳
- ۹۔ ضیاء محمد ضیاء ”موج زمزم“ ایوان ادب لاہور ۱۹۹۵ ص ۳
- ۱۰۔ ضیاء محمد ضیاء ”موج زمزم“ ایوان ادب لاہور ۱۹۹۵ ص ۲، ۳
- ۱۱۔ ضیاء محمد ضیاء ”موج زمزم“ ایوان ادب لاہور ۱۹۹۵ ص ۵۱
- ۱۲۔ ضیاء محمد ضیاء ”موج زمزم“ ایوان ادب لاہور ۱۹۹۵ ص ۷۱
- ۱۳۔ ضیاء محمد ضیاء ”موج زمزم“ ایوان ادب لاہور ۱۹۹۵ ص ۵۸
- ۱۴۔ ضیاء محمد ضیاء ”موج زمزم“ ایوان ادب لاہور ۱۹۹۵ ص ۵۹
- ۱۵۔ ضیاء محمد ضیاء ”موج زمزم“ ایوان ادب لاہور ۱۹۹۵ ص ۲، ۳
- ۱۶۔ ضیاء محمد ضیاء ”موج زمزم“ ایوان ادب لاہور ۱۹۹۵ ص ۶۱

- ۱۷۔ ضیاء محمد ضیاء ”موج زمزم“ ایوان ادب لاہور ۱۹۹۵ ص ۶۲
- ۱۸۔ ضیاء محمد ضیاء ”موج زمزم“ ایوان ادب لاہور ۱۹۹۵ ص ۶۶
- ۱۹۔ ضیاء محمد ضیاء ”موج زمزم“ ایوان ادب لاہور ۱۹۹۵ ص ۶۸
- ۲۰۔ ضیاء محمد ضیاء ”موج زمزم“ ایوان ادب لاہور ۱۹۹۵ ص ۷۴
- ۲۱۔ ضیاء محمد ضیاء ”موج زمزم“ ایوان ادب لاہور ۱۹۹۵ ص ۸۷
- ۲۲۔ ضیاء محمد ضیاء ”موج زمزم“ ایوان ادب لاہور ۱۹۹۵ ص ۸۸
- ۱۳۔ ضیاء محمد ضیاء ”موج زمزم“ ایوان ادب لاہور ۱۹۹۵ ص ۹۰
- ۲۴۔ ضیاء محمد ضیاء ”موج زمزم“ ایوان ادب لاہور ۱۹۹۵ ص ۹۲
- ۲۵۔ ضیاء محمد ضیاء ”موج زمزم“ ایوان ادب لاہور ۱۹۹۵ ص ۹۷
- ۲۶۔ ضیاء محمد ضیاء ”موج زمزم“ ایوان ادب لاہور ۱۹۹۵ ص ۱۱۳
- ۲۷۔ ضیاء محمد ضیاء ”موج زمزم“ ایوان ادب لاہور ۱۹۹۵ ص ۱۱۹
- ۲۸۔ ضیاء محمد ضیاء ”موج زمزم“ ایوان ادب لاہور ۱۹۹۵ ص ۱۲۱
- ۲۹۔ ضیاء محمد ضیاء ”موج زمزم“ ایوان ادب لاہور ۱۹۹۵ ص ۱۲۳
- ۳۰۔ ضیاء محمد ضیاء ”موج زمزم“ ایوان ادب لاہور ۱۹۹۵ ص ۱۲۷
- ۳۱۔ ضیاء محمد ضیاء ”موج زمزم“ ایوان ادب لاہور ۱۹۹۵ ص ۱۳۲
- ۳۲۔ ضیاء محمد ضیاء ”موج زمزم“ ایوان ادب لاہور ۱۹۹۵ ص ۱۳۱
- ۳۳۔ ضیاء محمد ضیاء ”موج زمزم“ ایوان ادب لاہور ۱۹۹۵ ص ۱۳۷
- ۳۴۔ ضیاء محمد ضیاء ”موج زمزم“ ایوان ادب لاہور ۱۹۹۵ ص ۱۳۳
- ۳۵۔ ضیاء محمد ضیاء ”موج زمزم“ ایوان ادب لاہور ۱۹۹۵ ص ۱۴۴
- ۳۶۔ ضیاء محمد ضیاء ”موج زمزم“ ایوان ادب لاہور ۱۹۹۵ ص ۱۴۴
- ۳۷۔ حفیظ رضا پسروری اقتباس از مضمون ”استاد الاساتذہ“ ہفت روزہ صدائے پسرور ۱۱۳ اپریل ۱۹۹۷ء
- ۳۸۔ ”موج صبا“ (کلام فاخر ہریانوی) ایوان ادب اردو بازار لاہور فروری ۱۹۶۶ ص ۴
- ۳۹۔ طاہر شادانی ضیاء محمد ضیاء اقتباس فلیپ از ”نوادرات سخن“ ڈاکٹر وحید قریشی ۱۹۷۹
- ۴۰۔ طاہر شادانی ضیاء محمد ضیاء اقتباس فلیپ از ”نوادرات سخن“ ڈاکٹر وحید قریشی ۱۹۷۹
- ۴۱۔ نعیم صدیقی ماہنامہ ”ترجمان القرآن“ لاہور جلد ۷۰ مارچ ۱۹۸۷ ص ۵۰
- ۴۲۔ مکتوب بنام ضیاء محمد ضیاء مورخہ ۳ جولائی ۱۹۹۶

- ۴۳۔ نعیم صدیقی ”ماہنامہ“ سیارہ لاہور جلد ۴۴ ۱۹۸۳ ص ۲۲۱
- ۴۴۔ مکتوب بنام ضیاء محمد ضیاء مورخہ ۱۳ اگست ۱۹۹۷
- ۴۵۔ مکتوب بنام ضیاء محمد ضیاء مورخہ ۱۵ ستمبر ۱۹۹۷
- ۴۶۔ علیم ناصری ماہنامہ ”سیارہ“ لاہور سالنامہ ۱۹۹۳ ص ۱۳۶
- ۴۷۔ عطا محمد قریشی، ایم اے ذکر اسلاف زاہد بشیر پرنٹرز لاہور، ۱۹۹۰ ص ۶۴
- ۴۸۔ مکتوب بنام قمریزدانی